اونچے نصیبے والے

آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم پر درود بھیجنے کے متعلق اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا فرض ہے اگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی کسی شخص نے درود نہ بھیجا تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا ——

جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کا ذکر ہو تو آپؐ کا اسم مبارک سننے پر درود بھیجنا واجب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر دفعہ درود بھیجنا واجب ہے یا ایک مرتبہ اس مجلس میں پڑھ لینا کافی ہے۔ بعض ہر دفعہ اسم مبارک (صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم) سننے پر درود بھیجنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم) اس شخص کو بخیل قرار دیتے ہیں جو اسم مبارک سننے کے بعد درود نہ بھیجے۔ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو شخص آپؐ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے ——

ایک دوسری حدیث سے واضح ہے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ قریب آپؐ سے وہ ہوں گے جو آپ پر زیادہ درود بھیجتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ بڑے اونچے نصیبے والے ہیں۔

—— حضرت شیخ الاسلام والمسلمین السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ——

—— ماہنامہ سلطان العلوم دیوبند جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ——

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویات معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۶) محمد سعید الرحمن علوی

عَنْ مُعَاوِیَۃَ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عن النوح والشعر والتصاویر وجلود السباع والتبرج والغناء والذھب والخز والحریر قال السیوطیؒ حدیث حسن ۔ (احمد ص ۱۹۱ ج ۲)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان سلام اللہ تعالیٰ علیہما و رضوانہ کی مرویات میں ایک روایت اس سے پہلے ایسی گذری جس میں سونے چاندی کے برتنوں میں مشروبات پینے، سونا اور ریشم پہننے، چیتے کی کھال پر نشست جمانے، منقہ اور پختہ عمارات سے روکا گیا تھا — اس روایت میں نوح، شعر اور تصاویر جلود السباع، تبرج، غنا، ذھب اور خز و حریر سے روکا گیا ہے گویا ذھب (سونا) اور حریر (ریشم) تو وہ چیزیں ہیں جو پہلے گذر چکی ہیں اور اس روایت میں "جلود نمور" (چیتے کی کھال) کا ذکر تھا لیکن اس میں مطلق جلود سباع (درندوں کی کھال) کا ذکر ہے

"نوح" کا معنی ہے مردے پر آواز سے رونا، اس دنیا میں جو آیا اسے جانا ہے جانے والے کی موت پر غم اور صدمہ تو طبعی چیز ہے۔ اور محض آنکھوں سے صدمہ کا اظہار خود حضور علیہ السلام سے ثابت ہے لیکن جزع فزع شور و ہنگامہ اور اس طرح کی چیزیں مطلق حرام ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدمہ کے وقت جو چہرے کو پیٹے، کپڑے پھاڑے اور جاہلانہ آوازیں نکالے اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کفر کے زمانہ میں باقاعدہ اس قماش کی عورتیں موجود تھیں جو باقاعدہ پیسے لے کر اور مزدوری پر رونا دھونا کرتی تھیں۔

اس رسم بد کو اسلام نے مٹایا اور آپؐ نے اس سے سختی سے روکا۔

دوسری بات شعر و شاعری کی ہے۔ قرآن عزیز نے ایک جگہ تو فرمایا ہے کہ ہم نے پیغمبر کو نہ تو شعر سکھلائے اور نہ شعر اس کے لائق و مناسب ہیں — اور ایک جگہ ہے کہ شعراء کے متبعین گم کردہ راہ ہوتے ہیں کہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مشاہدہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ لت پڑ جاتی ہے اس کی زندگی روایتی حزم و احتیاط اور تقویٰ و تدین سے محروم ہوتی ہے — الا ماشاء اللہ! اللہ تعالیٰ جس پر کرم کر دے اس کا معاملہ جدا ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہوئے ہیں جو شاعری و تدین دونوں باتوں میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔

تصویر کا مسئلہ واضح ہے حضور علیہ السلام نے اسے بدترین جرم بتلایا آپ نے فرمایا۔ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تصویر گری کا کام کرتے ہیں۔

آج کل کیمرہ کی صنعت جس عروج پر ہے وہ ایک المیہ ہے۔ ورنہ

(باقی ۱۵ پر)

جلد ٢٦ ✲ شمارہ ٥١
١٥ شعبان المعظم ١٤٠١ھ ✲ ١٩ جون ١٩٨١ء

عراقی ری ایکٹر کی تباہی

آج کے اخبارات کی اندوہناک خبر قارئین نے ملاحظہ کر لی ہوگی کہ اسرائیلی فضائیہ نے قریباً پون گھنٹے تک بمباری کر کے دنیائے عرب کے پہلے اور عالم اسلام کے سب سے بڑے ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کر دیا ـــــ خبر کے مطابق یہ پلانٹ فرانس کی مدد سے لگایا گیا تھا اور قریباً ایک ماہ بعد یہ پلانٹ کام شروع کرنے والا تھا اور اس منصوبے پر فرانس کے تین سو سائنس دان اور ماہرین کام کر رہے تھے اور حملہ کے وقت، وہ سارے کے سارے چھٹی پر تھے اس لئے کسی قسم کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

عالم اسلام اس وقت جس نازک صورتِ حال سے دو چار ہے اس کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ گذشتہ عرصہ میں جب عالم اسلام برطانوی استبداد کا شکار تھا اس زمانے میں دنیائے اسلام کے ایک ایک ملک کو ذہنی اور عملی طور پر مفلوج کرنے کی غرض سے جو جو اقدامات کئے ان سے اہل نظر باخبر ہیں۔ خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ برطانوی غلامی کا جوا مسلمان قوم نے اپنے گلے سے اتار پھینکا لیکن جہاں یہ لعنت ختم ہوئی وہاں ایسے طبقات برسرِ اقتدار آ گئے۔ جو ذہنی اور فکری طور پر یورپ کے اسیرِ دام ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز خود چلا گیا گویا اس کا جسمانی اقتدار ختم ہو گیا لیکن اب اس کی ذہنی غلامی کا دور شروع ہوا اور یہ دور بوجوہ زیادہ خطرناک ثابت ہوا کیونکہ اس کا باعث وہ افراد تھے اور ہیں جن کے نام مسلمانوں جیسے تھے اور ہیں ـــــ انہی لوگوں کے مکروہ طرزِ عمل کے سبب آج تک کسی مسلمان ملک میں صحیح معنوں میں اسلام کا نظامِ عدل

اس پرچہ میں

ـــــ رئیس الادارہ ـــــ
پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
ـــــ مدیر منتظم ـــــ
مولوی محمد اجمل قادری
ـــــ مدیر ـــــ
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/٦٠، ششماہی -/٣٠
	سہ ماہی -/١٥، فی پرچہ ١/٥٠

پبلشر مولانا عبید اللہ انور، پرنٹر الٰہی بخش مطبع جاوید ... پرنٹرز ... لاہور

قائم ہو سکا نہ ہی وقت کے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے کوئی پیش رفت ہو سکی۔

حالات ہمارے سامنے ہیں۔ آج ہم اپنے چھوٹے چھوٹے معاملات میں غیروں کے محتاج ہیں ہمارے برصغیر کے نام نہاد پڑھے لکھے یہاں کے سب سے زیادہ مظلوم طبقہ علماء پر روزمرہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے جدید علوم وغیرہ کی مخالفت کی۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ غریب علماء نے جدید تعلیم کے بانیوں کی فکری گمراہی کے خلاف تو آواز بلند کی لیکن جدید تعلیم اور جدید علوم کی مخالفت ذرہ برابر نہیں کی اور نہ آج کوئی ایسے کہتا ہے۔ اور اب ہم یہ سوال کرنے کا بجا طور پر حق رکھتے ہیں کہ جدید علوم کے حامیوں اور بانیوں نے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ پاکستان سے لے کر انڈونیشیا تک یہ صورت ہے کہ کسی نے کوئی کام کرنا ہو تو وہ یا امریکہ کے نام کی دُھائی دیتا ہے یا روس کی، فرانس کے پیچھے بھاگتا ہے یا چین کے، برطانیہ سے استمداد کرتا ہے یا کہیں اور سے، وہ لوگ آتے ہیں من مرضی کا کام کرتے ہیں، جیسے چاہتے ہیں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور بربادی کا سامان مہیا کر کے یہ جا وہ جا! یہ پلانٹ جس نے ابھی تک کام کرنا بھی شروع نہیں کیا تھا اس پر تین سو غیر ملکی ماہرین کام کر رہے ہیں اور جب حملہ ہوتا ہے تو ان میں سے ایک بھی موجود نہیں ہوتا اور سارے ہی رخصت و تعطیل پر ہوتے ہیں۔ کیا یہ محض اتفاق تھا یا بڑی طاقتوں کی ملی بھگت؟ جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ محض اتفاق نہیں بلکہ اس کے پس پردہ کوئی اور ہی مضمرات کام کر رہے ہیں۔ بڑی طاقتیں اور اسرائیل جیسے ان کے گماشتے ایک لمحہ کے لئے نہیں چاہتے کہ مسلم دنیا متحد ہو اور وہ اپنے معاملات میں خودکفیل ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

لیکن ہم بڑی طاقتوں اور ان کے گماشتوں کا گلہ کرنے کے بجائے اپنے قابلِ صد احترام رہنمایانِ قوم اور زعماء ملت کو توجہ دلائیں گے کہ وہ مختلف سطح پر لمبی چوڑی کانفرنسیں کرنے کے بجائے اپنے بہتر مستقبل کی فکر کریں اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ دائیں بائیں کے چکر سے نکل کر اسلام اور صرف اسلام کی بنیاد پر اپنے آپ کو منظم کریں، اس پر خوش نہ ہوں کہ آپ کی کئی درجن حکومتیں ہیں بلکہ اس کا اہتمام کریں کہ آپ امت واحدہ بن کر ایک پرچم تلے متحد ہوں، آپ کا دفاعی پروگرام، آپ کی کرنسی اور آپ کی سوچ و فکر کے دھارے یکساں ہوں، یہ ہی ایک طریقہ ہے جس کی روشنی میں آپ پنپ سکتے اور آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بات کہنے میں باک نہیں کہ ناصر، سوئیکارنو، شاہ فیصل اور بن بیلا جیسے مدبر اور جرأت مند قائد پے درپے سازشوں کا شکار ہو گئے اور آج ہم چاروں طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں دور۔ دور تک ایک خلا نظر آتا ہے۔ ایسی کوئی جاندار قیادت نظر نہیں آتی۔ جو قلب و نظر کی بلندی کے ساتھ ساتھ کچھ کر گذرنے کا حوصلہ اور دم رکھتی ہو۔

اب بقول حکیم امت شاہ ولی اللہ اجتماعی قیادت کا دور ہے اس کی روشنی میں اپنے آپ کو منظم کرنے کی ضرورت ہے ورنہ ۱۹۶۷ء کے عرب اسرائیل حادثہ کے بعد یوگنڈا میں اسرائیل کی قزاقی اور اب عراق میں اس کی غنڈہ گردی جیسے واقعات دہرائے جاتے رہیں گے۔ اور ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ قدرت نے ملت اسلامیہ کو جن بے پناہ وسائل سے نوازا ہے۔ ان وسائل کے بل بوتے پر دائیں اور بائیں کے لٹیرے گلچھرے اڑا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ اس پر ایک لمحہ کے لئے نہیں سوچتے ــــ ہم دل

(باقی ۸ پر)

خطبہ جمعہ — ضبط و ترتیب : علوی

شعبان اور شب برأت

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبَید اللہ انور مدظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ صدق اللہ العظیم (سورۃ الحشر آیت ۷)

محترم حضرات و معزز خواتین! سورۂ حشر کی ساتویں آیت کا ایک ٹکڑا تلاوت کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"اور جو دے تم کو رسولؐ سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے"۔ (حضرت شیخ الہندؒ)

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں مال کی تقسیم سے متعلق بعض احکامات ہیں ــــ اسی آیت میں وہ مشہور ٹکڑا ہے جس میں دولت کو ایک طبقہ کے اندر دائر سائر رہنے سے روکا گیا۔ یعنی كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے)

مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اس ٹکڑے کے متعلق لکھتے ہیں:

"یعنی یہ مصارف اس لئے بتلائے کہ ہمیشہ محتاجوں، یتیموں، بیکسوں اور عام مسلمانوں کی خبرگیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں، یہ اموال محض دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں سے مریں"۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۰۹)

اس سے متصل وہ ٹکڑا ہے جو ابتدا میں ترجمہ سمیت آپ نے سماعت فرمایا ــــ اس پر مولانا ہی کا نوٹ ہے:-

"یعنی مال و جائداد وغیرہ جس طرح پیغمبر اللہ کے حکم سے تقسیم کرے اسے بخوشی و رغبت قبول کرو، جو ملے لے لو جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر و نواہی کی پابندی رکھو"۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۰۹)

عرضِ مُدّعا

محترم حضرات! مجھے اس وقت تقسیم دولت کے متعلق تفصیلات اور احکام بیان نہیں کرنے. بلکہ آیت کریمہ کے اس ٹکڑے کی عمومی روح یعنی "اس کے تمام احکام اور اوامر و نواہی کی پابندی رکھو" کی روشنی میں شعبان اور شب برات کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ مہینہ شعبان المعظم کے نام سے معروف ہے۔ سن قمری کا یہ آٹھواں مہینہ ہے اس کے بعد نواں مہینہ رمضان المبارک کا ہے جس کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض

ہیں اور اس شعبان کے مہینہ کی پندرھویں شب کے اپنے مستقل فضائل ہیں اور احادیث کی روشنی میں یہ بڑی بابرکت رات ہے۔ بعض حضرات نے سورۂ دخان کی آیت کریمہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ... الخ کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے مراد یہی شعبان کی پندرھویں شب ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کی رو سے اس سے مراد تو شب قدر ہی ہے جو رمضان شریف میں آتی ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی قرآن میں کوئی آیت نہیں جس میں "شب برات" کا ذکر ہو۔ ہاں احادیث میں اس کا بہت ذکر ہے اور اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

شعبان و شب برات

پہلے تو آپ اس مہینہ کے متعلق چند باتیں ملاحظہ فرمائیں — حضور علیہ السلام کا اس مہینہ کے متعلق جو تصور و عمل تھا وہ بخاری شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کی راویہ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ کسی سال تو آپ شعبان میں اس طرح مسلسل روزے رکھتے کہ ہمارا خیال ہوتا کہ اب ناغہ کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ اور کسی سال اس طرح اس مہینہ میں ناغہ فرماتے کہ ہمارا خیال ہوتا کہ اب کبھی اس مہینہ میں روزے نہ رکھیں گے — نیز یہ کہ یہی ایک مہینہ تھا علاوہ رمضان، جس کے روزے فرض ہیں، جس میں آپ مسلسل روزے رکھتے، باقی مہینوں میں خال خال تو روزے رکھتے لیکن مسلسل اور برابر ایسا نہ ہوتا۔

ایک روایت کے مطابق شعبان میں آپ کو روزہ رکھنا بہت ہی مرغوب تھا۔ حضرت ام المومنین رضہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ماہ میں ایسا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ تو آپؐ فرماتے۔ عائشہ! یہ ایسا مہینہ ہے جس میں سال بھر مرنے والوں کے نام کی فہرست ملک الموت کو دے دی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا نام ایسی حالت میں نقل ہو کہ میں روزہ سے ہوں۔

آپؐ کے محبوب خادم حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپؐ سے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں "افضل الصیام" کا پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان کے روزے رکھنا سب سے افضل ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس میں ہمت و طاقت ہو۔ کمزور آدمی ایسا نہ کرے ورنہ رمضان کے فرض روزے اس کے لئے مشکل ہو جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی مکرم قائدنا الاعظم امام الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا کہ شعبان کو شعبان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے لئے اس میں خیر کثیر ایسے نکلتی ہے جیسے کوئی چیز پھوٹ کر نکلے اور رمضان کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہوں کو جلا ڈالتا ہے۔

ایک طویل روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز میں چار کا انتخاب کیا اور پھر چار میں سے ایک کا۔ ملائکہ میں، انبیاء میں، صحابہؓ میں، مسجدوں میں، دنوں میں، راتوں میں، بستیوں اور پہاڑوں میں، دریاؤں اور مہینوں میں — الغرض ہر چیز میں سے چار کا انتخاب ہوا۔ مہینوں میں رجب، شعبان، رمضان اور محرم کا انتخاب ہوا اور پھر ان میں سے شعبان کو منتخب کر لیا گیا اور راتوں میں شب برات، شب قدر، شب جمعہ اور شب عید کو منتخب کیا تو ان میں سے شب قدر کو چن

لیا۔ اور پھر ان میں سے شعبان کو منتخب کر لیا گیا۔ شعبان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے اپنا مہینہ قرار دیا۔ اور فرمایا کہ جس طرح اللہ کا رسول تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اسی طرح آپ کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ شعبان میرا مہینہ ہے، رجب اللہ تعالیٰ کا اور رمضان میری امت کا۔ شعبان گناہوں کو دور کرنے والا اور رمضان بالکل پاک کر دینے والا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رجب کی فضیلت باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کلاموں پر قرآن مجید کی فضیلت اور شعبان کو اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو اس طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح اللہ تعالےٰ کو باقی مخلوق پر!

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رجب اور رمضان کے درمیان شعبان کا مہینہ ہے لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں حالانکہ رب العالمین کے حضور اس ماہ اعمال کی پیشی ہوتی ہے اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اعمال کی پیشی کے وقت میں روزہ سے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول حضور علیہ السلام شعبان کا چاند دیکھ لیتے تو قرآن مجید کی تلاوت میں منہمک و مشغول ہو جاتے یعنی پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ اہتمام کرتے اور مسلمان اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالتے تاکہ ضعیف اور مسکین بھی ماہ رمضان کے فرضی روزوں کی خاطر طاقت حاصل کر لیں۔ اور حکام قیدیوں کو طلب کر کے حد لگاتے یعنی ان پر جن پر شرعی حد ہوتی ورنہ آزاد کر دیتے۔ تاجر اپنے قرض چکاتے حتیٰ کہ جب رمضان کا چاند دیکھ لیتے تو غسل و نظافت کر کے اعتکاف میں بیٹھ جاتے۔

بقول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ شعبان کے پانچ حروف کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں پانچ عطیے اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں یعنی شرف، علو، (بزرگی)، برّ (احسان و بھلائی) الفت اور نور۔ اس مہینہ میں بھلائیوں کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ حضور نبی مکرم علیہ السلام پر درود کی کثرت کی جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی روایت کے مطابق شعبان کی پندرھویں شب میں کینہ پرور، مشرک، رشتہ داری منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے سوا سب کی معافی ہو جاتی ہے۔

حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ کے بقول آپ اس رات سارا وقت سجدے میں رہے اور اللہ تعالےٰ سے امن و عافیت اور رحمت کی درخواست کرتے رہے انہی کے بقول رات میں قبرستان جانا بھی ثابت ہے کہ حضور نبی مکرم علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور اہل قبور کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس رات آپ نے جو مشقت برداشت کی اس سے آپؐ کے پاؤں سوج گئے۔ میں انہیں دباتی رہی اور میں نے عرض کیا کہ میرے باپ آپؐ پر قربان ہوں آپ اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں — آپؐ نے فرمایا کہ جس مالک کے مجھ پر اتنے کرم ہیں میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ کیا تم واقف ہو کہ اس رات میں کیا کیا ہوتا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا۔ آئندہ سال پیدا ہونے والے بچے اور مرنے والے لوگوں کا لکھا جاتا ہے — اس رات لوگوں کے سالانہ رزق اترتے ہیں ان کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ کی رحمت کے بغیر

بھی کوئی شخص جنت میں جائیگا؟ فرمایا اللہ تعالےٰ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہیں جائیگا میں نے عرض کیا آپ بھی ؟ فرمایا میں بھی اس کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس طرح زمین پر مومنوں کے لئے عید کے دو دن ہیں اسی طرح آسمان پر فرشتوں کے لئے عید کی دو راتیں ہیں یعنی شب برات اور شب قدر ـــــ اس مبارک رات کا ایک عمل اسلاف سے منقول ہے جسے "صلاۃ خیر" کہا جاتا ہے۔ بقول حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالےٰ حضور نبی کریم علیہ السلام کے تیس صحابیوں نے اس کا مجھ سے ذکر فرمایا وہ کل سو رکعت ہیں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ۱۰ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کی فضیلت اور ثواب بہت ہے۔ بقول حضرت حسن بصری قدس سرہٗ جو شخص اس رات یہ نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر بار نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں اور ہر نگاہ میں ستر حاجتیں پوری فرما دیتے ہیں جن میں سے ادنیٰ ترین حاجت گناہوں کی مغفرت ہے۔

عزیزانِ گرامی ! میں نے روایات کے ذخیرہ کا خلاصہ بڑے اختصار کے ساتھ عرض کیا۔ ورنہ یہ دفتر بہت طویل ہے۔ اس اختصار سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ شعبان اور شب برات کی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہے اور اس کے اعمال کیا ہیں ؟ خاص کر اس رات میں "صلاۃ خیر" کا اہتمام اپنے گناہوں کی مغفرت کی درخواست۔ قبرستان میں جا کر مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت وغیرہ اعمال حدیث سے ثابت ہیں اور اگلے دن روزہ مسنون اور بڑی فضیلت والا عمل ہے ـــــ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ لایعنی و لچر ہے چاہے وہ حلوا پچی کی رسم ہو یا آتشبازی کی۔ کی رسم تو اتنی مکروہ ہے کہ اس میں گھر پھونک تماشہ دیکھنے والی بات ہے اور مجوسی جیسی بدترین قوم جو آتش پرست تھی اس سے نسبت ہے اللہ تعالےٰ بچائے۔

وقت پر یہ باتیں اس لئے گوش گذار کی گئیں کہ آپ حضرات ان مقدس و مبارک گھڑیوں کو ضائع نہ کریں ، ان کی قدر کریں، نہ معلوم اس سال یہ گھڑیاں کس کو نصیب ہوتی ہیں اور آئندہ سال کس کو نصیب ہوں۔ پس جو دم حاصل و نصیب ہے اس کی قدر کرکے اللہ تعالےٰ کو راضی کرلیں کیونکہ موت کا فرشتہ سر پر کھڑا ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ احوال کی توفیق دے اور ہر معاملہ میں سنتِ نبویؐ کا اہتمام کرنے کی توفیق بخشے۔

بقیہ : اداریہ

کی گہرائیوں پر اس المناک سانحہ میں اپنے عراقی بھائیوں کے شریک غم ہیں ، اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور ان کے اس نقصان کی تلافی ہو ـــــ اس کے ساتھ ہی عالم اسلام کے فکری اور سیاسی رہنماؤں سے درخواست ہے کہ ان پے درپے سازشوں سے سبق حاصل کریں اور اپنے آپ کو منظم کرکے اپنے معاملات میں خود کفیل ہونے کی فکر کریں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

اوراب بلوچستان

پنجاب حکومت کے قابل قدر اقدام کے بعد حکومت بلوچستان نے مرزائیوں کے دوسرے سربراہ مرزا محمود کا تحریف شدہ ترجمہ قرآن ضبط کرکے ملت اسلامیہ کے دل جیت لئے ہیں ہم اس اقدام پر حکومتِ بلوچستان کے ذمہ دار حضرات کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے اور سندھ و سرحد کی حکومتوں سے اس کی تقلید کی درخواست کرتے ہیں ـــــ اس کے ساتھ ہی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ

اپنا سفر جاری رکھے

اللہ کی رحمت اور ملت کی دعائیں اس

ندوہ کا سیمینار - ایک سنگِ میل

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار سے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی ندوہ کا خطبہ صدارت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس سیمینار کے متعلق پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ کا نوٹ پیشِ نظر ہے (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ندوہ کا سیمینار ۱۷ر اپریل ۱۹۸۱ء کی صبح کو شروع ہوا اور ۱۹ر اپریل کو ۸ بجے رات ختم ہوا کسی جلسہ یا اجتماع کی کامیابی کا معیار کیا ہے۔ اس کو متعین کرنا مشکل ہے۔ ہر ایک کا اپنا تصور ہے لیکن ندوہ کا یہ سیمینار ہر معیار کے لحاظ سے کامیاب اور مثالی تھا یہ سیمینار خاص علمی بنیاد پر منعقد ہوا کوئی عام اجتماع پیشِ نظر نہیں تھا اس کا اظہار انہی صفحات پر اس مذاکرہ کے منعقد ہونے سے ایک ماہ پہلے کیا جا چکا تھا لہٰذا اس کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی پوسٹر لگایا جاتا۔ ہینڈبل تقسیم کئے جاتے۔ اخبارات میں اعلان کئے جاتے۔ حالانکہ اگر کرنا چاہتے تو یہ سب کچھ کرسکتے تھے اور اس سے زیادہ کرسکتے تھے مگر یہ بات ہمارے مقصد کے ہم آہنگ نہ تھی دعوتیں صرف درسگاہوں اور ان میں بھی صرف شعبہ ادب کے ذمہ داروں کو دی گئی تھیں۔ ندوہ کی مجلسِ انتظامیہ کے ارکان کو ضرور مدعو کیا گیا تھا کہ میزبان ہونے کی حیثیت سے تشریف لائیں اس سیمینار میں ندوی فضلاء کو بھی خصوصیت کے ساتھ مدعو نہیں کیا گیا۔

ادھر آٹھ دس برسوں سے عرب ممالک کے وفود کثرت سے آنے لگے ہیں۔ الحمدللہ ان کے یہاں دولت کی بہتات ہے۔ ایک ایک ملک میں کئی کئی عام مسلم بہبود کے ادارے ہیں۔ نیز بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والے ادارے ہیں۔ ان میں سے ہر ادارہ اپنے وفود بھیج دیتا ہے۔ مدارس اسلامیہ، اسلامی انجمنوں اور دیگر اداروں کی طرف سے جب بھی دعوت دی گئی۔ انہوں نے قبول کیا اس لحاظ سے ہم صرف عرب وفود کی آمد کی وجہ سے اس سیمینار کو بے نظیر طور پر کامیاب نہیں کہہ رہے ہیں اگرچہ تعداد میں یہ حضرات تین درجنوں سے زیادہ تھے اور اتنی بڑی تعداد کم ہی اس سے پہلے کسی جگہ شریک ہوئی ہوگی۔

کامیابی کا عنوان یہ تھا کہ جو لوگ آئے وہ عام طور پر آیا نہیں کرتے یا بالکل نہیں نکلا کرتے۔ چوٹی کے عرب اسکالرس۔ بلند پایہ معیاری ادیب، پروفیسر، مصنف اس سیمینار میں شریک ہوئے ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے ذاتی خرچ سے آئے اور جو آئے انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہٗ سے اپنی گہری عقیدتمندی دیرینہ علمی تعلق کا اظہار کیا۔ ندوہ کو دیکھ کر طلبہ سے مل کر، اساتذہ سے گفتگو کرکے اور آزاد اور بلا تکلف گھوم پھر کر جو دیکھا اس نے ان کی زبان سے یہ کہلایا کہ برصغیر میں ایک عرب جزیرہ ہے" یہ "اسلام کا ایک مستحکم قلعہ ہے" عمارتوں اور فرنیچر اور سامانِ آرائش میں اس کی حیثیت قابل ذکر نہیں ہے لیکن اپنی فکری قیادت اور نہ صرف ہندوستان کو بلکہ عالم اسلام کو متوجہ کرنے اور وقت کے تقاضے کو سمجھ کر دین کی صحیح دعوت دینے کا مرکز ہے ایک بہت بڑے ادیب و مصنف نے جو ایک عرب یونیورسٹی کی فیکلٹی ادب کے سربراہ (ڈین) ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس مدرسہ کے ذہنی شاگرد ہونے کی حیثیت سے آئے ہیں ہم نے سید سلیمان ندوی کی خطبات مدارس پڑھ کر سیرت نبویؐ کو نئے طور سے سمجھا ہے ہم نے امام سید ابوالحسن ندوی کی کتابیں پڑھ کر اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کی ہے۔

ایک دوسرے ادیب نے جنہوں نے اپنے ملک میں ایک علمی اکادمی قائم کی ہے اور دینی ادب کی نمائندہ دو درجن سے زیادہ کتابیں شائع کرچکے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم نے واشنگٹن سے لے کر ٹوکیو تک بتیس علمی سیمیناروں میں شرکت کی ہے مگر جو

خیر و برکت، صداقت و للّٰہیت، خلوص اور علم کی گہرائی یہاں دیکھی وہ کہیں نہیں پائی۔ اور جو میں کہہ رہا ہوں اس پر اللہ کو وکیل و شاہد بنا کر کہتا ہوں۔

ہم پڑھے لکھے لوگوں کے اخلاق و عادات، ہمت افزائی کے کلمات، میزبانی اور مہمانی کے مواقع پر جن رسمی و اخلاقی الفاظ کا تبادلہ کیا جاتا ہے اس سے واقف ہیں اس لیے دل سے نکلی ہوئی بات بے ریا اور پُرخلوص بات کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اور دونوں میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم نے صرف دو بڑی شخصیتوں کے اقوال نقل کئے ان کے معیاری کردار اور سیرت کی پختگی کا علم مجھے پہلے سے ہے صرف منہ دیکھی بات ظاہر اخلاق کے طور پر جن رٹے پٹے جملوں اور الفاظ کا اعادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عربی میں مجاملہ — انگریزی میں (Compliment) کہتے ہیں وہ اور چیز ہوتی ہے اور ان عرب دانشوروں نے جس اسلوب و انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ اور ہی چیز ہے ساحران مدین کی رسیاں اور عصائے موسیٰ دونوں میں بڑا فرق تھا اور ان کے درمیان تمیز کرنا صاحب نظر کا کام تھا۔ تفصیل سے احتراز کر رہا ہوں کہ یہ سیمینار کی مفصل روئیداد کا موضوع نہیں ہے البتہ اتنا عرض کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ندوہ نے ایک فکری دعوت دی ہے کہ کتابوں کے قدیم خزانوں سے وہ ادبی شہ پارے لائے جائیں جن کی طرف عام طور پر نگاہ نہیں جاتی ہے اور ان ہی کو ادب کا نام دیا جائے۔

اس دعوت کو ۳۸ عرب ادیبوں، دانشوروں اور اسی قدر اندرون ملک کی جامعات اور درس گاہوں کے نمائندوں نے قبول کیا اور خود عرب سکالروں نے ایک تجویز مرتب کی اور اپنے دستخط کر گئے اور ندوہ سے درخواست کی ہے کہ عالم اسلام میں ادبیات اسلامی کے تصوّر کو عام کرنے کے لیے اپنی قیادت میں ایک مرکزی سیکرٹریٹ قائم کرے۔

اس سرزمین کے لیے یہ بات بےمثال ہے کہ اتنے چوٹی کے ادبار و مفکرین آ کر نہ صرف شرکت کریں بلکہ خلوص دل سے خراج عقیدت پیش کریں۔ آنے والوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ندوہ کو جو سُنا تھا اس سے کئی گنا زیادہ پایا۔ خوشی ہوئی کہ اسلام کا یہ مستحکم مرکز عالم اسلام کے گُل سرسبد مولانا ابوالحسن علی ندوی کی قیادت میں ان یونیورسٹیز سے زیادہ کام کر رہا ہے جن پر کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔

ایک بے مثال بات جلسے کی آخری نشست میں پیش آئی کہ علامہ شیخ عبداللہ الانصاری نے جو اپنے ملک کے سب سے بڑے دینی عہدہ پر فائز ہیں جن کا درجہ ایک سینئر وزیر کا ہے۔ انہوں نے پوری دیانت داری اور درد مندی سے ندوہ کی اہمیت و خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب ہم عربوں کو اپنا فرض ادا کرنا ہے اور اس ادارہ کے مالی استحکام کو اپنا کام سمجھنا چاہیئے اور اس کی ابتداء میں خود اپنی ذات سے کرتا ہوں اور دعوت دیتا ہوں کہ ہمارے رفقاء (عرب ممالک کے وفود) اپنی ذاتی حیثیت سے جو کر سکتے ہیں وہ کریں اور اپنی حکومتوں کو باقاعدہ یادداشت دیکر متوجہ کریں۔

حضرت مولانا نے اس موقعہ پر ایک پرجوش تقریر کی جس میں شیخ عبداللہ الانصاری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ اس خالص، علمی و دینی کام کے موقع پر چندہ کے حصول کا تصوّر بھی ہم نے کبھی نہیں کیا کہ اس علمی اجتماع کو اس کا ذریعہ بنائیں ہم ایثار و قربانی کے سایہ میں جس طرح کام کرتے آرہے ہیں وہی ہمارا سرمایہ ہے اللہ آپ کی جیب سلامت رکھے۔ یہاں چندوں کا نہ اعلان کیا جائے، اور نہ کسی سے کوئی وعدہ لیا جائے۔

گلوگیر آواز اور آب دیدہ آنکھوں سے ممنونیت اور حسرت کا اظہار اور عزیمت و ہمت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک دوسرے مقتدر ممبر نے اس موضوع پر مزید بات یا مباحثہ ختم کرنے کی دعوت دی۔

جہاں یہ کردار سامنے آتا ہے وہاں گردنیں جھکتی ہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔

جواھر ریزے

بار طینت ہے وہ جو لوگوں کی بُرائیاں ظاہر کرے اور نیکیاں چھپائے۔ (افلاطون)

شہدائے بالاکوٹ

گذشتہ ہفتہ کے شب و روز میں کراچی کی شہداء بالاکوٹ کانفرنس کا ذکر آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ انتظامیہ کی بیجا مداخلت کے سبب کانفرنس نہ ہو سکی اس میں خطبہ صدارت جو پڑھا جانے والا تھا — پیش خدمت ہے۔
یاد رہے کہ یہ خطبہ صدارت میاں محمد اجمل قادری صاحب نے پڑھنا تھا (ادارہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمٍ عَظِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ۔

جناب محترم مہمان گرامی فضیلۃ الشیخ سفیر عراق۔ معزز شرکاء گرامی و حاضرین جلسہ!! میرے لیے یہ امر انتہائی مسرت و خوشی کا باعث ہے کہ عزیز نوجوانوں نے اس اجتماع کا اہتمام کیا۔ میرے لیے اس میں شرکت چند در چند وجوہ کی بنا پر ممکن نہ ہو سکی جس کا مجھے قلق بھی ہے کسی درجہ میں اس کی تلافی عزیزی اجمل میاں سلمہٗ کو بھیج کے کر رہا ہوں — اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو بابرکت بنائے اور اس کے بہتر ثمرات و نتائج برآمد ہوں۔!

محترم حضرات! ۱۸۳۱ء کا یہی ہماری ملّی زندگی میں غم و اندوہ کے جذبات کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ چونکہ اسی مہینہ میں اہلِ صدق و صفا کا ایک قافلہ اپنے وطن مجازی سے سینکڑوں میل دُور پتھریلی زمین میں اپنوں ہی کی سازشوں کا شکار ہو کر رہ گیا اور وہ مقاصد پروان نہ چڑھ سکے جن کی توقع کی جا رہی تھی۔

عزیزانِ گرامی! یہ محض ایک قافلہ کے لٹنے کی بات نہ تھی بلکہ اس کے نتیجہ میں جو قیامت بپا ہوئی سچ پوچھیں کہ ہم آج تک سنبھل نہیں سکے قومی اور اجتماعی اسٹیج پر نمودار ہونیوالی غلطیاں افراد کی غلطیوں سے کہیں زیادہ مہلک ہوتی ہیں۔ پشاور سے لیکر ہزارہ تک کے خوانین نے محض چند روزہ عیش و نشاط کی خاطر دربار لاہور اور انگریز مدبرین سے ساز باز کر کے جس طرح اس قافلہ کی راہ روکی، معمولی المیہ نہیں، بلکہ بقول مورخ اسلام سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور۔ "یہ لوگ وفاداری کا مظاہرہ کرتے تو آج اس طویل و عریض خطے کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں اور اتنی عظیم تحریک خود غرض افراد کے حرص اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئی۔" یہ تو ہوا لیکن یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ اس کے بعد ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی، تحریک خلافت اور تحریک ریشمی رومال وغیرہ کے نام سے جتنا بھی کام ہوا۔ وہ سب اسی تحریک مجاہدین کی صدائے بازگشت تھی۔ انگریز مدبرین کی کی ترجمانی کرتے ہوئے اس بات کو مسٹر ہنٹر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد محدود تعداد میں جو مجاہدین بچ گئے اور انہوں نے وہاں سے کچھ دُور اپنا مرکز بنایا تو ان سے ہمیں طویل جنگ لڑنا پڑی۔ ان کے مرکز کو تباہ کرنے کے لیے ہمیں بارہا اقدامات کرنے پڑے لیکن وہ لوگ ایسے سخت جان تھے کہ ہر وار خطا ہو جاتا اور وہ غلبۂ اسلام کے مقدس جذبہ سے پھر اسی طرح سرشار مشغول عمل رہتے۔ ساتھ ہی ہنٹر یہ تسلیم کرتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں قیادت کا قطعاً فقدان نہ تھا اور یہ تحریک ایسے رُخ پر پڑ گئی تھی کہ ایک قائد رہنما کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد دوسرا خود بخود اس کی جگہ لے لیتا اور کبھی اس معاملہ میں لوگوں نے اپنے آپ کو کسی پریشانی میں محسوس نہیں کیا

درحقیقت جب مقاصد عظیم ہوں نیتیں بخیر ہوں اور بے نفسی وللّٰہیت اور خلوص و ایثار کی دولت نصیب ہو تو نتائج اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ وہاں کسی خاندان کی اجارہ داری نہ تھی، کسی ایک گروہ کا معاملہ نہ تھا بلکہ حکیم الامت حضرت امام ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز، جن کے افکار کی روشنی میں یہ تحریک پروان چڑھی تھی ان کے "فلسفۂ قیادت" یعنی اجتماعی قیادت کے اصولوں پر ایسی تربیت کی گئی تھی کہ ہر فرد اس عظیم قیادت و ذمہ داری سے گریز کرتا لیکن جب سر پر آپڑتی تو وہ مشتِ استخوان وقت کا عظیم قائد و رہنما اور مفکر و جرنیل ثابت ہوتا۔ حضرۃ الامام السیّد الشہید بریلوی قدس سرہٗ جو اس تحریک کے پہلے عملی قائد تھے اِن کے مقاصد کیا تھے؟ اور کیا نہیں! اس پر اس دورِ تحقیق میں بڑی لے دے ہو رہی ہے اور "لِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ" کے مصداق ہر طبقہ و جماعت اور ہر گروہ اور فرد اپنی سی کہے چلا جا رہا ہے، حالانکہ "تصنیف را مصنف نیکو کند بیان" کے مصداق خود وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے مقاصد کی وضاحت کر گئے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ جو انہوں نے کہا، ان کا عمل اس کے سو فیصد برابر تھا۔ دوعملی نام کو ان کے قریب نہ پھٹکتی تھی وہ دورِ حاضر کے کسی رسوائے زمانہ سیاسی امام کی طرح خوں آشام نہ تھے وہ انسانی اقدار کو جاننے والے اور ان کا احترام کرنے والے تھے ان کی نگاہ میں اپنا اور بیگانہ سب برابر تھے ہاں جب دین و ایمان اور عقیدہ کی بات ہوتی تو پھر کوئی اپنا نہ تھا جو کوئی اس کی زد میں آئے، آئے۔ انہوں نے اپنے مخالفین کو کچلنا اپنا مقصدِ زندگی نہ بنایا تھا۔ اپنے پڑوسیوں سے نبرد آزمائی اور جنگ و جدل کو اپنی امامت کا لازمی جزو تصوّر نہ کیا تھا اُن کی آنکھوں میں مروّت و شرافت تھی اور ان کے اخلاق خلقِ پیغمبری کا نمونہ تھے ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں تاکہ ان کی زبان سے ان کے مقاصد سامنے آجائیں۔ فرماتے ہیں — میرا مقصد یہ ہے کہ دینِ محمدیؐ کی نصرت میں اپنے مولیٰ کا حکم بجا لاؤں جو مالکِ مطلق و بادشاہ برحق ہے۔ خدائے عزوجل گواہ ہے کہ اس ہنگامہ آرائی سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں نہ اس میں کوئی نفسانی غرض شامل ہے ایسی غرض نہ کبھی زبان پر آئی، نہ کبھی دل پر گذری ہے۔ دینِ محمدی کی نصرت کے لیے جو کوشش جس صورت میں بھی ممکن ہوگی ضرور بجا لاؤں گا۔ اور جس تدبیر کو بھی مفید پاؤں گا اسے لازماً اختیار کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ زندگی کے آخری سانس تک اسی سعی میں مشغول رہوں گا پوری عمر اسی کام میں صرف کروں گا اور جب تک زندہ رہوں گا اسی مقصد کے لیے تگ و دَو جاری رکھوں گا — جب تک سر گردن پر سلامت ہے اس میں یہی سَودا سمایا رہے گا۔ جب تک پاؤں تاب اخ[...] سے محروم نہیں ہو جاتے اسی راست[ے] چلتا رہوں گا۔ مفلس بن جاؤں، یا دولت[مند] منصبِ حکومت پر پہنچ جاؤں، کسی کی رعی[ت] بن جاؤں، بزدلی کی تہمت لگے یا تنائ[ش] شجاعت کی جلئے۔ میدانِ جہاد سے کامیا[ب] ہوکر لوٹوں یا شہید ہو جاؤں اگر میں دیکھو[ں] کہ میرے مولیٰ کی رضا اس میں ہے کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تنہا میدانِ جنگ میں آؤں تو خدا کی قسم بدل و جان سینہ سپر ہو جاؤں گا۔ اور لشکروں کے ہجوم میں گھستے وقت ذرا سا بھی کھٹکا نہ ہوگا — مجھے نہ بہادری جتلانا مقصود ہے اور نہ ریاست حاصل کرنا چاہتا ہوں میرا مقصد احکم الحاکمین کے فرامین کی بجا آوری ہے،

حضراتِ گرامی! یہ عظیم مقصد تھا جس کی کڑیاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور امام ولی اللہ دہلوی تک چلی جاتی ہیں چونکہ بقول امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ صاحب نے مجدد صاحب کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کی۔ شاہ صاحب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے فرزندِ عزیز شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ جنہیں تمام اہلِ علم اور اہلِ صلاح نے شاہ صاحب کا جانشین تسلیم کیا تھا انہوں نے اس بات کو آگے بڑھایا۔ تاآنکہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے کر اعلانِ جنگ کر دیا اور جنگ کے لیے رضاکارانہ اسپرٹ (SPIRIT) رکھنے والے نوجوانوں کا اہتمام کیا کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ ملازمت کی زنجیر میں

[بن]دھا ہوا فوجی اس مقصد کے لیے ناموزوں ہے۔ وہ سراج الدولہ سے لے کر ٹیپو شہید تک کے جنگی حالات سے واقف تھے ان بلانوشان محبت کے لشکروں میں چند بدباطن غدارِ رسول اور فوجی ملازمین کی چیرہ دستیاں ان کے سامنے تھیں اس لیے انہوں نے رضاکاروں کی فوج کا اہتمام کیا جس کے امیر و امام حضرت سیّد احمد شہید بریلوی قرار پائے اور ان کے دست و بازو حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحی بڈھانوی قرار پائے۔ ان حضرات کا رائے بریلی سے دہلی، کبھی لکھنو، اور کبھی دوآبہ کا سفر جس کے دوران دیوبند بھی گئے جہاں آج کل دارالعلوم دیوبند قائم ہے وہاں سے علم کی خوشبو محسوس کی۔ اس کا مقصد اصلاحِ احوال اور آئندہ کے حالات کے لیے تیاری تھا یہ سفر بمبئی اور کلکتہ تک پھیل گئے تاآنکہ ان کا سلسلہ حرمین شریفین کی سرزمین مقدس تک پہنچا۔ مقصد واضح تھا کہ ان نام نہاد اہلِ علم کے فتووں کی عملی تردید ہو سکے جو راستوں کی ناہمواری اور حالات کی عدم موافقت کے سبب حج کی فرضیت ساقط ہونے کا فتویٰ دے بیٹھے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس مقدس سرزمین کی برکات سے مستفیض ہونا تھا — ان قدسیوں نے اپنے امام و قائد اور اپنے آقا حضور نبی محترم، رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عقیدت پر کس طرح پلکیں بچھائیں اور ربِ کائنات کے آستانۂ وحدانیت سے کس طرح بھیک مانگی۔

یہ باتیں [سن]نی ہیں، قابل نہیں اور الفاظ میں ان کی منظر کشی مشکل ہے۔ وہاں سے واپسی کے بعد پھر عظیم سفر ہوئے یہاں تک کہ وادیٔ بالاکوٹ آگئی اور آپ اور رفقاءِ کار خون کا نذرانہ دے کر سرخرو ہو گئے۔ لوگوں نے سرزمین حرمین پر ان حضرات کی نجدی تحریک سے متاثر ہونے اور یہاں جہادی سرگرمیوں کے دوران ان پر انگریزوں سے ساز باز کے الزامات لگائے لیکن ان سب الزامات کا ایک ہی جواب ہے "سبحانک هٰذا بهتان عظیم"۔ اس قسم کے بدباطن اور حاسد لوگوں کا ماخذ مسٹر ہنٹر ہیں جو اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں جگہ جگہ مسلمان دشمنی کا شکار ہوا۔ وہ ان حضرات کے حرمین پہنچنے سے بہت پہلے نجدی تحریک کے دم توڑ جانے کا بھی ذکر کرتا ہے اور ان حضرات کے ان سے متاثر ہونے کا بھی جھوٹ بولتا ہے دراصل اس آڑ میں "وہابیت" کی پھبتی چسپاں کر کے اپنے مقاصد نکالنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اس ایک نقطے نے کیا قیامتیں برپا کیں — یہی ہنٹر ہے جو سید صاحب کی انگریز دشمنی کا ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ لیکن یہی ہے چند صفحات آگے چل کر ان کی تحریک کو "سکھ دشمنی پر محمول بتاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے کہ ان کا مقصد محض سکھ گردی کا استیصال تھا — حالانکہ سکھ اور انگریز دونوں ہی ان کی زد میں تھے اور یہ بات ہنٹر سمیت تمام مستند برطانوی مصنفین تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کا مقصد "خدا کے نام کی بلندی اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احیاء تھا۔" لیکن انگریز کی معنوی اولاد الزام تراشی کے چکر سے نکلنے کو تیار نہیں ان سے اِن حضرات کی قربانیاں تو کیا متاثر ہوں گی، لیکن اپنا نامۂ اعمال ضرور سیاہ ہوگا — میں تفصیل سے گریز کر رہا ہوں کہ مجلس کے مقررین نے یقیناً تمام حالات پر روشنی ڈالی ہوگی۔ تاہم اتنی بات ضرور کہوں گا کہ قافلہ حق کے لیے اس طرح کا ایثار، قربانی، خدا خوفی، للٰہیت، اصولوں کی پاسداری ضروری ہے جس طرح مجاہدین بالاکوٹ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم دعا گو ہیں کہ خداوندِ کریم ان مجاہدینِ حق کے نام لیواؤں اور عملی جاں نشینوں کو فوز و فلاح سے نوازیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

چھ باتیں

از رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف نوّر اللہ مرقدہٗ

۱۔ ایمان باللہ

اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے اور ہر فرد کے خالق و مالک ہیں۔ ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے والے ہیں خود بنے نہیں۔ اور جو خود بنا ہُوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے، ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور شکلوں کو قائم رکھ کر صفات کو بدل سکتے ہیں، لکڑی کو اژدھا بنا سکتے ہیں، اژدہے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لا کر دکھا دیں۔ اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لا کر دکھا دیں۔ دنیا میں جتنی شکلیں ہمیں نظر آتی ہیں خواہ وہ ملک کی ہوں یا مال کی، برق کی ہو یا بھاپ کی سب پر ان کا قبضہ ہے۔ ساری چیزوں کے بغیر ریت پر ڈال کر پال دیں، چاہیں تو سارے ساز و سامان پر پرورش بگاڑ دیں، تربیت کا نظام وہ ہی چلاتے ہیں۔

ایمان بالرّسالت

اللہ جل شانہٗ کی ذاتِ عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہِ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے۔ تو اللہ رب العزت ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے

۲۔ نماز کا اہتمام اور اس کی دعوت

اللہ تعالےٰ کی قدرت سے براہِ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے سر سے لے کر پیر تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقہ پر پابندیوں کے ساتھ اپنے آپ کو استعمال کریں۔ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پیر سب کا استعمال درست کریں۔

یہ یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ اجر دلانے والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ کریم اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری فرمائیں گے۔ گناہوں کو معاف فرمائیں گے رزق میں برکت دیں گے۔ ایسی ہی نماز کی دوسروں کو ترغیب اور دعوت دیں اور خود اپنے لئے رو رو کر ایسی نماز کی توفیق مانگیں۔

۳۔ علم و ذِکر

علم سے مراد ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے کہ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے۔ علم و ذکر کے فضائل بیان کئے جائیں۔ دوسروں میں علم و ذکر کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور خود رو رو کر مانگی جائے کہ اے اللہ! مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرمائیے!

۴۔ اِکرامِ مُسلم

ہر اُمتی کے آگے بچھ جانا ہر شخص کے حقوق کو ادا ...ا اور اپنے حقوق کا مطالبہ ...نا، عیوب کی پردہ پوشی کرنا ...رامِ مسلم ہے اس کے لئے دوسروں ... ترغیب کے لئے اکرامِ مسلم کا ...رق پیدا کیا جائے حقوق العباد ...ے فضائل سنائے جائیں۔ مسلمان ... قیمت بتائی جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخلاق ہمدردی اور ایثار و قربانی کے واقعات سنائے جائیں اور خود اپنے لئے گریہ و زاری سے دعا مانگی جائے۔

۵۔ حسنِ نیّت

ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو۔ کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اس کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعے تصحیحِ نیّت کا شوق اور فکر پیدا کیا جائے اس کے لئے ہر عمل سے پہلے اور عمل کے دوران نیّت کو درست کرنے کی مشق کی جائے اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیّت کو ناقص قرار دے کر توبہ و استغفار کیا جائے — اور خداوند قدوس سے اخلاص مانگا جائے

اللہ کے راستے میں محنت اور دُعا

آج امّت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت کھُلی ہوئی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے طفیل پوری امّت کو دعوت والی محنت ملی تھی اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہ سے قائم ہو جائے اُس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن لوگوں میں محنت کی جائے ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا۔ اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا۔ اس کے لئے خدا کی راہ میں نکلنے کے فضائل خوب بیان کئے جائیں۔ خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت اور نصرت والے اعمال میں لگانا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں نکاح کے وقت، رخصتی کے وقت، گھر میں ولادت کے موقعہ پر اور وفات کے موقع پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں، ضعف میں، جوانی میں، بڑھاپے میں ہر حال میں نکلے ہیں۔

اللہ رب العزت سے مانگنا کہ اے اللہ! ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرما۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

حاضر کے بعض اہل قلم اسے تصویر مانتے ہی نہیں یہ گمراہی اور ضلالت ہے اس سے بچنا ازبس ضروری ہے جلود سباع یعنی درندوں کی کھال کا کسی طرح بھی استعمال صحیح نہیں۔ اس سے صفات درندگی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض احادیث میں اس قسم کے اشارات موجود ہیں۔ تبرّج کا مفہوم ہے وہ بے پردگی اور بے قاعدگی جو مستورات کو آزادی کی ڈگر پر ڈال دے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عورت کو کچھ ضوابط کا پابند کیا ہے۔ پردہ ایک قرآنی حکم ہے اس کی آواز تک کو پردہ بتلایا گیا ہے. اور اسے اس سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں —— آج کی صورت بڑی شرمناک ہے اکبر الہ آبادی کا ایک بہت اچھا شعر ہے جس میں اس لفظ کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ؂

بحرِ آزادی میں کیسا تموّج آگیا
قاصرات الطرف میں شوقِ تبرّج آگیا

غنا، گانا بجانا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ وہ شیطانی حربہ ہے جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کی گمراہی کا سامان کرتا ہے — گھر گھر اس قسم کی چیزوں کا اہتمام قرب قیامت کی نشانی اور

(باقی ۲۲ پر)

نفع نقصان میں شرکت کا معاملہ

اور

اس کی شرعی حیثیت

مولانا محمد طاسین

قسط نمبر ۔۲۔

بہرحال تجارت کے معنے صرف خرید و فروخت کے معاملہ کے ہوں یا اس کے ساتھ محنت و مزدوری کے معاملہ کے بھی ہوں ۔ صاف ظاہر ہے کہ معاملہ زیر بحث تجارت کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ شراکتی کھاتے والا فریق نہ بیع و شراء اور خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور نہ محنت و مزدوری کا کام۔ لہٰذا اس آیت سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا اور یہ آیت کسی طرح اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ تجزیہ کرکے غور سے دیکھا جائے تو الٹا یہ معاملہ ان معاملات کی فہرست میں نظر آتا ہے جو باطل کا مصداق ہیں اور جن سے آیت کے پہلے حصہ میں منع کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ متعدد مفسرین نے باطل کی تفسیر بغیر حق، بدون مقابل اور بغیر عوض کی ہے اور بعض نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے حوالہ سے باطل کی یہ تعریف نقل کی ہے: "الباطل ھو کل ما یوخذ من الانسان بغیر عوض" باطل ہر وہ مال ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض کے لیے جائے۔ تفسیر المنار میں لکھا ہے:

"ام الباطل ما لم یکن فی مقابلۃ شیئ حقیقی" پس باطل وہ مال ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابلہ میں نہ ہو۔

بلکہ اکل بالباطل کے یہ معنی خود قرآن کی بعض دوسری آیات سے بھی مفہوم ہوتے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۸، جس میں رشوت لینے اور رشوت کے ذریعے دوسرے کا حق مارنے کو اکل بالباطل سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو جس سے رشوت لیتا ہے یا جو رشوت کے ذریعے دوسرے کا حق مارتا ہے اس کی طرف سے رشوت دینے والے کے لیے کوئی حقیقی عوض و بدل نہیں ہوتا، اور نہ اس کے لیے کوئی عوض و بدل ہوتا ہے جس کا حق مارا گیا اور جیسے سورۃ التوبہ کی آیت ۳۴ جس میں اس مال کے لینے اور کھانے کو اکل بالباطل فرمایا گیا ہے جو بعض احبار و رہبان یعنی علماء و مشائخ مکر و فریب کے ذریعے عام لوگوں سے لیتے ہیں ظاہر ہے کہ بعض مولوی اور پیر مکر و فریب وغیرہ کے ذریعے عام لوگوں سے جو مال وغیرہ وصول کرتے ہیں اس کے عوض ان کی طرف سے عوام کے لیے کوئی حقیقی بدل اور عوض موجود نہیں ہوتا جو انہیں اس مال کا حقدار قرار دیتا ہو لہٰذا وہ دوسروں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص سود، قمار، رشوت، چوری، غصب، خیانت اور دھوکہ دہی کے ذریعے دوسرے کا مال لیتا اور کھاتا ہے چونکہ ان طریقوں میں بھی اس کی طرف سے دوسرے کے لیے اس کے مال کا کوئی حقیقی بدل اور عوض موجود نہیں ہوتا نہ مادی اشیاء کی شکل میں اور نہ محنت و خدمت کی شکل میں جو اسے اس لیے ہوئے مال کا حق دار ٹھہراتا ہو لہٰذا یہ طریقے بھی باطل کی تعریف میں آتے ہیں بہت سے مفسرین حضرات نے ان طریقوں کا باطل کی تفسیر اور توضیح میں ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں بتلایا کہ یہ کیسے باطل کے تحت آتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی وجہ کیا ہے۔

اکل بالباطل اور باطل طریقوں کی جو تفسیر و [تشر]یح پیش کی گئی ہے اس کی روشنی میں [مع]املہ زیر بحث کا جائزہ لیا جائے تو صاف [نظ]ر آتا ہے کہ یہ معاملہ بھی باطل معاملات میں [داخ]ل ہے کیونکہ اس میں شراکتی کھاتہ دار کے [ل]یے اس کے اصل سرمائے پر جو زائد مال طے [ک]یا گیا ہے وہ بغیر کسی عوض و بدل کے ہے کھاتہ دار کی طرف سے نہ اس کا بدل اور عوض کسی مادی شے کی شکل میں ہے اور نہ محنت و خدمت کی شکل میں، لہٰذا وہ جو کچھ بھی زاید لیتا ہے اپنا حق نہیں دوسرے کا حق لیتا ہے جس کا دوسرا نام اکل بالباطل ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اکل بالباطل اور باطل طریقوں کا جو مفہوم و مطلب بتلایا گیا ہے اس کے مطابق معاملہ مضاربت بھی جائز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں بصورت نفع، سرمائے والے فریق کو اپنے اصل سرمائے پر جو زائد ملتا ہے اس کے عوض اس کی طرف سے نہ کوئی مادی شے ہوتی ہے اور نہ محنت و خدمت، حالانکہ معاملہ مضاربت کو بالاتفاق جائز مانا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ مضاربت کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سرمائے والا فریق یہ طے کرتا ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہوگا تو وہ نقصان پورے کا پورا وہ خود برداشت کرے گا ۔کام کرنے والا فریق اس میں بالکل شریک نہ ہوگا جب کہ عموماً نقصان و خسارہ کام کرنے والے کی ناتجربہ کاری ناسمجھی اور غفلت و کوتاہی کی وجہ سے ہوا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرمائے والا فریق، کام کرنے والے فریق کے لیے ایک طرح کا مالی ایثار کرتا ہے جو گو بالفعل نہ سہی لیکن بالقوہ ضرور ہوتا ہے لہٰذا یہ ایثار اس زاید مال کا بدل اور عوض بن جاتا ہے جو نفع کی صورت میں سرمائے والے فریق کو بطور ایک نسبتی حصّہ کے ملتا ہے، لیکن چونکہ یہ عوض اس طرح کا نہیں جس طرح کا بیع و شراء اور محنت و نوکری میں ہوتا ہے لہٰذا معاملۂ مضاربت کے جواز کی بھی وہ حیثیت نہیں جو معاملہ بیع و شراء اور معاملۂ محنت و خدمت کے جواز کی ہے۔ علماء اصول الفقہ نے جواز کے دو معنے لکھے ہیں۔ ایک جواز بمعنے عدم حرام جس سے کراہت کی نفی نہیں ہوتی۔ اس معنے کے لحاظ سے کسی چیز کے جائز ہونے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ حرام نہیں لیکن مکروہ ہو سکتی ہے: اور دوسرا جواز بمعنے وجوب و استحباب۔ اس معنے کے لحاظ سے کسی چیز کے جائز ہونے کا مطلب ہوتا ہے وہ واجب [یا مستحب ہے]۔ معاملہ مضاربت کا جواز پہلی [قسم کا] ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ معاملہ حرام نہیں جب کہ معاملہ بیع و شراء اور معاملہ محنت و مزدوری کا جواز دوسری قسم کا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ معاملے مستحب و مندوب ہیں کیونکہ ان میں انسان کو زحمت و تکلیف اٹھانی پڑتی اور وہ اپنی محنت کا پھل کھاتا ہے جس کو احادیث میں انسان کی بہترین اور پاکیزہ ترین کمائی بتلایا گیا اور جس پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

زیر بحث معاملے کو مضاربت پر اس لیے بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں سرمائے والے فریق کی طرف سے کام کرنے والے فریق کے لیے وہ ایثار موجود نہیں جو معاملہ مضاربت میں ہے کیونکہ اس میں نقصان کی صورت میں کام کرنے والے کو بھی نقصان میں شریک ٹھہرایا گیا ہے۔

اسی طرح یہ زیر بحث معاملہ، عادلانہ اور منصفانہ معاملہ بھی نہیں اس لیے کہ اس میں اگرچہ دونوں فریق نفع و نقصان میں برابر کے شریک ٹھہرائے گئے ہیں لیکن ایک فریق کی دماغی جسمانی محنت و مشقت موجود ہے اور دوسرے کی کوئی محنت و مشقت موجود نہیں ۔ ایک محنت و مشقت کرکے نفع کے ایک حصّہ کا حقدار بنتا ہے اور دوسرا بغیر کسی محنت و مشقت کے نفع کے ایک حصّہ کا حقدار ٹھہرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ انصاف نہیں کھلی ہوئی بے انصافی ہے۔ انصاف، زیقین معاملہ کے درمیان مساوات و برابری چاہتا ہے جو اس معاملہ میں موجود نہیں۔

سطور بالا میں آیت مذکور کی تفسیر و تشریح سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس قرآنی آیت سے معاملہ زیر بحث کا کوئی جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے ممکن ہے جن حضرات نے یہ معاملہ تجویز فرمایا ہے ان کے پاس اس آیت کے علاوہ قرآن و حدیث سے کچھ اور دلائل بھی ہوں جو اس رپورٹ میں نہ لکھے گئے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو وہ بھی سامنے آنے چاہئیں ۔ تاکہ حقیقتِ حال کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

دوسری بات جو مجھے اس مضمون میں

عرض کرنی ہے وہ ربا اور سود کے اس تصوّر سے متعلق ہے جس کو اس رپورٹ میں ملحوظ رکھا گیا اور جس کے مطابق سودی اور غیر سودی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطالعے سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا ہے کہ اسے لکھنے اور مرتب کرنے والے ماہرین اقتصادیات نے نہ ربا و سود کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائی ہے اور نہ اس کے حرام ہونے کی اصل وجہ کو پوری توجہ کے ساتھ جاننے کی زحمت فرمائی ہے بلکہ اس بارے میں سطحی اور سرسری معلومات پر اعتماد و بھروسہ کیا ہے جو حقیقت میں صحیح نہیں۔ مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ربا و سود صرف اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی رقم اصل پر فیصد کے لحاظ سے متعین ہو۔ مثلاً پانچ فیصد، دس فیصد، پندرہ فیصد وغیرہ، اگر اس طرح متعین نہ ہو تو وہ ربا و سود نہیں اور نہ شرعاً حرام ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ احادیثِ نبویہؐ اور آثار صحابہؓ کی رو سے ہر وہ زیادتی ربا اور حرام ہے جو شروع میں قرض کی اصل رقم پر طے کی گئی ہو خواہ وہ متعین ہو یا غیر متعین، کم ہو یا زیادہ، نقد کی شکل میں ہو یا اجناس و اشیاء کی شکل میں۔ چنانچہ اگر ایک شخص دوسرے کو قرض یہ کہہ کر دیتا ہے کہ تمہیں یہ رقم ایک سال کے بعد کچھ اضافے کے ساتھ ادا کرنی ہوگی تو یہ معاملہ قطعی طور پر ربا و سود کا معاملہ ہے حالانکہ اس میں اضافے اور زیادتی کا تعیّن نہیں۔

مذکورہ غلط فہمی اس سے پیدا ہوئی کہ بعض سطح بین حضرات نے یہ سمجھا کہ مضاربت میں بصورتِ نفع، سرمائے والے کے لیے اصل سے زاید لینا اس لیے حلال و جائز ہے کہ اس میں زاید کا فیصد کے لحاظ سے تعین نہیں ہوتا اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ معاملۂ ربا و سود میں اصل سے زاید لینا اس لیے حرام ہے کہ اس کا فیصد کے لحاظ سے یا مطلقاً تعین ہوتا ہے گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ زیادتی کے حلال و حرام ہونے کا دار و مدار اس کے تعین و عدم تعین پر ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ نہ مضاربت کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اصل پر زائد کا فیصد کے لحاظ سے تعین نہیں ہوتا اور نہ ربا کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اصل پر زاید کا فیصد کے لحاظ سے تعین ہوتا ہے بلکہ ان کے حلال اور حرام ہونے کی دوسری وجوہ ہیں جن میں سے بعض کا پیچھے ذکر ہوا ہے۔

حقیقت ربا و سود کے متعلق ایک اور غلط فہمی جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں یہ کہ جو مال دوسرے کو لفظ قرض کے ساتھ دیا جائے اس پر اضافہ اور زیادتی تو سود ہے اور جو لفظ قرض کے ساتھ نہ دیا جائے اس پر اضافہ اور زیادتی سود نہیں لہذا اس کا لینا جائز ہے۔

اور یہ سمجھنا اس وجہ سے غلط ہے کہ ربا و سُود کا تعلق قرض سے نہیں بلکہ حقیقتِ قرض اور معاملہ قرض سے ہے اور معاملۂ قرض وہ معاملہ ہے جس میں ایک شخص اپنا مال اپنی ملکیّت سے نکال کر دوسرے کی ملکیّت میں دیتا اور یہ طے کرتا ہے کہ مقرّرہ میعاد کے بعد دوسرا شخص ویسا ہی مال پورے کا پورا اس کو واپس کرے گا اب اگر اس کے ساتھ کسی اضافے کی شرط نہ ہو تو وہ قرضِ حسنہ ہے اور اضافے کی شرط ہو تو وہ ربوٰ اور سودی قرضہ ہے بالفاظِ دیگر حقیقتِ قرض یہ کہ ایک شخص کا دوسرے ضرورت مند کو اپنا مال ایک خاص وقت کے لیے اس طور پر دینا کہ اب وہ مال دوسرے کی ملکیت میں ہے اور وہ اس میں جو چاہے مالکانہ تصرّف کرسکتا ہے اور جس طرح چاہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے البتہ وقتِ مقرّرہ کے بعد اسے ویسا ہی مال ضرور واپس کرنا پڑے گا۔ شریعت میں قرض سے متعلق جو احکام ہیں ان کا تعلّق اسی حقیقتِ قرض سے ہے لفظ قرض سے نہیں۔ ربا و سُود کا تعلّق بھی اسی حقیقتِ قرض سے ہے۔ مثلاً جو شخص اپنا مال دوسرے کو برتنے کے لیے اس تحفظ اور ضمانت کے ساتھ دیتا ہے اور عند الطلب یا وقتِ مقررہ پر وہ مال اسے پورے کا پورا مع اضافہ کے ادا کیا جائے گا۔ تو اس معاملے کا نام خواہ کچھ ہی رکھا جائے لیکن حقیقت کے لحاظ سے ربا کا معاملہ ہے۔ نام کے بدلنے سے شے کی حقیقت کبھی نہیں بدلتی اور نہ ان اچھے بُرے اثرات میں کچھ کمی وبیشی واقع ہوتی ہے جو اس شے کے ساتھ مخصوص و مختص ہیں، مثلاً معاملہ ربا و سود کو اس کے جن بُرے اثرات و نتائج کی وجہ سے حرام و ممنوع ٹھہرایا گیا وہ اثرات و نتائج جس معاشی معاملے میں بھی

★ دفتر انجمن خدام الدین سے مقامی حضرات مفت اور بیرونی حضرات ۱۰۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حضرت لاہوریؒ کا رسالہ "فلسفہ روزہ" حاصل کریں ـــــ مفت تقسیم کرنے والے حضرات ۲۰/- روپے سیکڑہ کے حساب سے طلب فرمائیں۔

پائے جاتے ہوں وہ ربا و سود کا معاملہ ہے اور حرام و ممنوع ہے خواہ آپ اس کے نام کچھ بھی رکھیں اسے نفع و فائدہ کہیں یا ہدیہ و انعام۔ زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر کہنے سے نہ اس کی حقیقت بدلتی ہے اور نہ اس کی خاصیّت۔

تیسری بڑی غلط فہمی ممانعتِ سود کی توجیہ کے بارے میں ہے جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں اور جو اس رپورٹ میں بھی جلوہ گر نظر آتی ہے اس بارے میں رپورٹ کے صفحہ سولہ اور سترہ پر جو تحریر فرمایا گیا ہے وہ بلفظہٖ اور حرف بحرف درج ذیل ہے۔

"صرفی ضروریات کے قرضوں پر ممانعت کی عقلی توجیہ بالکل واضح ہے ایسے قرضے زیادہ تر پریشان حال لوگ لیتے ہیں تاکہ ان کی ایسی فوری اور شدید ضروریات پوری ہوسکیں جن کے لیے ان کے پاس ذاتی وسائل موجود نہیں انسانیت اور اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے سود لے کر انہیں مزید زیر بار نہ کیا جائے البتہ جہاں تک پیدا آوری ضروریات کے قرضوں پر سود لینے کا معاملہ ہے تو اسلام نے اس کی ممانعت اپنے معاشرتی فلسفے کے پیشِ نظر کی ہے جس کا بنیادی اصول معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔"

اس عبارت میں سود کی دو قسمیں کرکے ہر قسم کی ممانعت کی الگ الگ توجیہ بیان فرمائی گئی ہے۔ نجی ضروریات کے قرضوں پر ممانعتِ سود کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس قسم کا سود اخلاقی تقاضوں کے مطابق نہیں لہذا اس سے منع کیا گیا ہے۔ گویا اس قسم کے سود کی ممانعت قانونی نہیں اخلاقی ہے اور اس کا لینا حرام نہیں مکروہ ہے یعنی اس کا نہ لینا لینے سے اچھا ہے۔ بلاشُبہ یہ توجیہ قرآن مجید کی رُو سے غلط و باطل ہے اس لیے کہ قرآن مجید نے ربا کی ہر قسم کو خواہ وہ نجی اور صرفی ضروریات کے قرضوں سے تعلق رکھتی ہو یا تجارتی مقاصد کے قرضوں سے ہو لفظ ظلم سے تعبیر فرمایا ہے جو عدل کی ضد اور حق تلفی کے مرادف ہے اور چونکہ ظلم وحق تلفی حرام اور اس کی ممانعت قانونی ہے لہذا قرآن حکیم کے مطابق ہر قسم کی ربا کی ممانعت قانونی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنیوالوں کو اللہ اور اس کے رسُول کے ساتھ جنگ کرنے والے بتلایا گیا اور ان کے لیے شدید عذاب کی وعید ہے جو کسی غیر اخلاقی مکروہ قسم کے جرم پر نہیں ہوسکتی۔

عبارت مذکور میں پیدا آوری ضروریات کے قرضوں پر سود کی ممانعت کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ چونکہ اس قسم کا سود اسلام کے معاشرتی فلسفے جس کا بنیادی اصول معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے کے خلاف ہے لہذا اس سے منع فرمایا گیا ہے یہ توجیہ اجمالی طور پر تو صحیح ہے لیکن اُس کے متصل بعد اس کی جو توضیح وتفصیل لکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے غلط ہے گویا "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کا مصداق ہے اس کی توضیح وتفصیل یں لکھتے ہیں۔

"پھر اس کے برعکس ایک اور صورتحال بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر صاحبِ زر کا نفع میں سود کے بطور ایک حصہ پہلے مقرر کردیا جائے لیکن نفع بے حد و حساب ہو تو ایسی صورت میں نفع کا بیشتر حصّہ، کاروباری فریق لے جائے گا اور صاحبِ زر کو سود کی شکل میں پہلے سے متعین محدود نفع پر قانع ہونا پڑے گا۔"

چونکہ یہاں بات اس سود کے متعلق ہو رہی ہے۔ جو پیدا آوری اور تجارتی قرضوں پر لیا دیا جاتا ہے لہذا اس عبارت کا مطلب یہ ہُوا کہ قرض کے مال کے ساتھ تجارت میں مقروض کو جو نفع حاصل ہوتا ہے اس نفع میں مقرض یعنی قرض دینے والے کا بھی لازمی حصّہ ہوتا ہے جو اس کو پورا اور ضرور ملنا چاہیے ورنہ عدل نہ ہوگا جو اسلام کے معاشرتی فلسفے کا بنیادی اصول ہے حالانکہ یہ مطلب قطعی طور پر غلط اور باطل ہے کیونکہ فقہ کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ قرض کا مال مُقرِض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس مال کی حیثیت گویا اس کے ذاتی مال کی سی ہو جاتی ہے لہذا اُس مال کے ساتھ محنت کرکے کمائے ہُوئے نفع کی حیثیت بالکل ویسی ہوتی ہے کہ دوسرے مال کے ساتھ

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

یادِ رفتگاں

حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تحریر مولانا محمد قاسم

حضرت اقدس مولانا فضل محمد صاحب مرحوم و مغفور ۱۳ اپریل ۱۹۰۴ء کو سنگووال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم جناب میاں کریم بخش مرحوم کا مشغلہ تجارت تھا حضرت مرحوم کی کم عمری کے زمانہ میں آپ کے والد بسلسلۂ تجارت ضلع فیصل آباد (لائلپور) تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے وہ پُرانے خیالات کے نہایت سیدھے سادھے مسلمان تھے اور اپنی دینی محبت کی وجہ سے بارہا اس خواہش کا اظہار فرماتے کہ میرا بچہ عالم دین بنے اور نورِ علم کے ساتھ زمانہ کو منور کرے چنانچہ انہوں نے مرحوم کو اس دور کے عام رجحان اور روش کو ترک کرکے راہِ علم پر گامزن کیا اور ابتدائی تعلیم کے لیے سرکاری سکول میں بٹھایا وہاں مولانا مرحوم نے پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور اس پر مطالعہ و تحقیق کے شوق نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اس دور میں باپ کی اپنے ہونہار فرزند کے لیے دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے رنگ لانا شروع کیا باوجود اس بات کے کہ ان کے والد محترم کے دل میں عالم دین کا عام تصور تھا اور وہ صرف سادہ لوح دیہاتیوں کو جاہلانہ رسوم میں مبتلا کرنے والوں کو (عالم دین) سمجھتے تھے اور صحیح مسائل سے باخبر کرنے والوں کو وہابی اور نجانے کیا کیا (عام تاثر کے مطابق) سمجھتے تھے لیکن وہ کہتے ہیں کہ جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ دستِ قدرت نے خود اس بچے کی انگلی پکڑ کر صحیح عالم دین بننے کے راستہ پر چلایا اور حضرت مرحوم کی سب سے پہلے بہشتی زیور، اور خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کے اصلاحی اور نورانی رسالے ماہنامہ الامداد تک رسائی ہوئی آپ نے ان رسائل کو خوب دل لگا کر پڑھا اور دینِ فطرت کی باتیں سلیم الفطرت کے دل و دماغ میں اترتی چلی گئیں۔ ماحول میں پھیلی ہوئی تاریکیوں میں نورِ اسلام کی ضیاء نظر آنے لگی براق غور و فکر صحیح سمت میں پرواز کرنے لگا اور اشہبِ تطر دینِ متین کی راہوں پر تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ راہِ حق کے ہادی حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کی محبت و عقیدت دل کی پنہائیوں میں جاگزیں ہوگئی انہی خیالات پر سعادت کا اثر تھا کہ جب ایک دفعہ ان کے والدِ محترم نے انہیں فرمایا کہ بیٹا جو چاہو بن جاؤ لیکن وہابی نہ بننا تو مولانا مرحوم نے قدرت کی طرف سے ودیعت شدہ ادب و احترام کے ساتھ ناسمجھی کے دور میں وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا کے عین مطابق نہایت معنی خیز جواب دیا کہ ٹھیک ہے اباجی میں غیر مقلد نہیں بنوں گا۔

اپنے والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی الفت و عقیدت شعبان ۱۳۳۹ھ میں میکدۂ روحانیت خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کشاں کشاں لے گئی۔ جانے سے کافی عرصہ پہلے آپ نے غالباً تیرہ برس کی عمر میں حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی شانِ عالی میں پنجابی زبان میں ۳۰-۳۲ اشعار کا ایک قصیدہ لکھا جو اپنی سلاست و روانی اور شگفتگی و بے ساختگی میں ادب پنجابی کا ایک شاہکار اور حسین ترین مرقع ہے ادب پنجابی سے مولانا مرحوم کو خصوصی لگاؤ تھا بیسیوں اشعار نوکِ زبان تھے اگر آپ کو پنجابی ادب کا سکالر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا بہرکیف

آپ تھانہ بھون پہنچے اور ایک سال عربی کی ابتدائی کتابیں خوب محنت و شوق سے پڑھیں حکیم الامت کی مردم شناس نگاہوں نے آپ کو خوب جانچا اور پرکھا اور خصوصی تعلیم کے لیے شوال ۱۳۴۰ھ میں اپنے ایک عقیدت مند مولانا غلام محمد صاحب رح دریا خانی جو کہ مدرسہ نصرت الاسلام کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں صدر مدرس تھے کے پاس بھیجا اور اپنے دستِ مبارک سے ایک تعارفی خط مولانا غلام محمد صاحب مرحوم کے نام لکھا اور اس میں اپنے نورِ فراست سے حضرت مرحوم کے سعادت شعار اور مستقبل کی خبر دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ بچہ نہایت ہونہار سعید اور نیک ہے سچ ہے کہ بالائے سرش ز ہوشمندی۔ مے تافت ستارہ بلندی۔ اس نیک فال خط کو حضرت مرحوم نے ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھا اور اب بھی وہ اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ حضرت حکیم الامت کی آپ پر شفقت و عنایت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے راقم الحروف کو خود سنایا۔ کہ ایک مرتبہ مرشد تھانوی رح کسی کام کے لیے تشریف لے جا رہے تھے ریل کا سفر تھا۔ راستہ میں کاندھلہ اسٹیشن جب گاڑی رکی تو مدرسہ کے تمام اساتذہ اور طلباء روئے انور و اشرف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے موجود تھے۔ حکیم الامت رح باہر تشریف لائے اور حاضرین سے سلام و مصافحہ کے بعد بلند آواز میں پکارا فضل کہاں ہے چنانچہ میں دوڑ کر گیا کہ حضرت حکیم الامت نے بکمال شفقت معانقہ و مصافحہ کی سعادت سے نوازا اور کافی دیر تک اپنے ساتھ لپٹائے رکھا۔ جب ہم واپس ہوئے تو میرے ایک دوست بیگ صاحب (نام نسیاں کا شکار ہوگیا) نے نہایت حسرت آمیز لہجے میں کہا کاش حضرت رح مجھے بھی ایسے بلاتے اور اپنے ساتھ لپٹاتے۔ لیکن کہتے ہیں۔ این سعادت بزورِ بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ حضرت مرحوم نے کاندھلہ ایک سال تعلیم حاصل کی اور پھر خانگی مجبوریوں کی وجہ سے واپس وطن آگئے اور رائے پور گجراں کے مدرسہ رشیدیہ میں پڑھنے لگے یہاں آپ کے آخر عمر تک مخلص ساتھی اور دوست سابق امیر مجلس تحفظ ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری بھی ہم درس رہے بعد میں کچھ ایسے عوائق و موانع سدِ راہ ہوئے کہ دو تین سال تک سلسلۂ تعلیم منقطع رہا اسی دوران آپ کا عقد نکاح ہوگیا اور آپ کے پاؤں میں گھریلو بیڑیاں پڑ گئیں لیکن بایں ہمہ والدِ محترم کی صدق و صفا کے ساتھ کی ہوئی دعا اپنا کام کر رہی تھی اور تمنائے حصولِ علم کی چنگاری دل میں فروزاں تھی اس کسک اور ٹیس نے آپ کو کسی لمحے قرار سے بیٹھنے نہ دیا۔ اور آپ نے ان مشکل حالات میں مرجع انام حضرت مولانا حکیم الامت رح سے رجوع کیا اور ان سے تعلیم مکمل کرنے کی اجازت طلب کی انہوں نے اس درِ عدن اور لعلِ دُرِ قطن کو یوں ضائع ہوتے دیکھ کر اجازت مرحمت فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔ حکیم الامت کی اجازت سے خانگی بندھنوں کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ ان کی دعائیں نہاں خانۂ دل میں چھپی ہوئی حسرتوں اور خواہشوں کے لیے دیا سلائی ثابت ہوئیں اور اپنی اہلیہ مرحومہ کے ہمراہ دوبارہ تھانہ بھون پہنچ گئے حضرت حکیم الامت رح نے آپ کو خصوصی انعامات و کرامات سے بہرہ ور کیا۔ آپ نے بھی اپنے وسیع ظرف کے مطابق اس سلسبیل رشد و ہدایت سے ساقی فرزانہ کے ہاتھوں سبوئے قرار اور صراحی فرمانِ رسول ذی الشان صلی اللہ علیہ وسلم کی بے غل و غش شراب طہور کے ہزاروں جام نوش کیے جس سے آپ آخر عمر تک مخمور رہے بالخصوص صفائی معاملات میں نہایت صاف تھے (جو کہ خانقاہِ امدادیہ کا خاص رنگ ہے)، اور اکثر اس سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ ہدایت آفریں اور لافانی و جاودانی ارشادات دہراتے

يعرف الرجال بالمعاملات لا بالصلوة والذكر اور لا تنظروا الى صلوة امرء ولا الى صيامه ولكن انظروا الى صدقه وعقله

اس مرتبہ بھی تھانہ بھون تقریباً ایک سال قیام رہا اور باوجود اس بات کے کہ درمیان میں علمی مشغلہ چھوٹ اور سلسلہ تعلیم ٹوٹ گیا تھا آپ دوسری مصروفیتوں میں اُلجھ گئے تھے۔ آپ کو پڑھی ہوئی کتابیں یاد تھیں اور اسی اہلیت کی بنا پر آپ کو مشکوٰۃ شریف و جلالین شریف کی کلاس میں داخلہ ملا۔ اور فرماتے تھے

کو میں ان کتابوں کا اپنے پوری کے ساتھیوں کو جوکہ عموماً نہایت ذہین وفطین ہوتے ہیں ، تکرار اعادہ کرواتا تھا اور اکثر رفقاء سبق یاد کروانے کے لیے میرے پاس آتے تھے اور بعد ازاں اگلے سال آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور وہاں کچھ رہی ہوئی کتابیں مقامات و ملاحسن وغیرہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ سے پڑھیں ۔یہاں بھی آپ اپنے ساتھیوں پر فائق رہے ۔چنانچہ فرماتے تھے کہ جب علم میراث کی معروف و مبداء اوّل کتاب سراجی کا امتحان ہُوا تو اس میں ایک سوال میں کافی الجھن تھی ۔ میں نے الحمدللہ اس الجھن کو سلجھایا اور سب سے پہلے پرچہ حل کرکے بیٹھ گیا جبکہ باقی تمام ساتھی ابھی اس سوال میں پھنسے ہوئے تھے اور اکثر نے غلط جواب تحریر کیا۔ اس کے بعد آپ دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لیے عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اس مرتبہ بھی آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے ساتھ تھیں گزر واوقات کا یہ طریقہ تھا کہ وہ طلباءً جو دارالعلوم کے مطبخ سے کھانا نہیں کھاتے تھے اور اپنا کھانا پکواتے تھے آپ کی اہلیہ محترمہ وفا وحیا کی پتلی ان کا کھانا پکاتیں اور اس سے جو اُجرت ملتی اس آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ نہایت صبر وشکر کے ساتھ اس پر گذارا کرتے آپ کی اہلیہ مرحومہ نے کبھی آپ سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود محنت ومشقت برداشت کرکے آگ میں جھلس کر اس صابرہ وشاکرہ خاتون نے ایثار و وفا کی ایک عظیم مثال قائم کی ۔ اور آپ کو فکر معاش سے بے فکر رکھا اور آپ پوری دلجمعی کے ساتھ حصول تعلیم میں مصروف رہے دیوبند کے قیام کے دوران ہی آپ کے ہاں آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی رشید احمد صاحب تولد ہُوئے ولیٔ کامل حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے کان میں آذان کہی ۔حضرت مرحوم نے ایک روپیہ سید صاحب کی خدمت میں نذر گزارا انہوں نے وہ روپیہ مسعود نومولود کو دے دیا ۔حضرت مرحوم نہایت لطیف مزاج کا ذوق رکھتے تھے کبھی کبھی بطور تنشیط طبع کے لیے فرماتے کہ بھئی تم بھی کیا دیوبندی ہو۔ اصل دیوبندی تو ہمارا بیٹا رشید احمد ہے — دارالعلوم میں آپ نے شیخ الاسلام کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور مولانا اعزاز علی صاحب سے اکتسابِ فیض کیا۔حضرت مرحوم وہاں کے ماحول اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر داعیان سے بہت متاثر ہوئے سب سے پہلے آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ان کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا پھر شیخ مدنی رہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا سید عبدالقادر رائے پوری اوران کے انتقال کے بعد آخر عمر تک حضرت اقدس قبلہ مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ سے تعلق بیعت قائم رہا۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۵۳ھ میں فراغت کے بعد آپ نے فقیر والی کے قریب چک نمبر ۱۱۰/۱۰۔ر میں بحیثیت خطیب وامام کچھ عرصہ گذارا آپ کے دل میں شروع سے علوم دینیہ کے پھیلانے کا جذبہ موجزن تھا چنانچہ ۱۵ر جمادی الآخر ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۲ر اگست ۱۹۳۷ء کو فقیر والی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی یہاں ایک چھوٹی سی کچی مسجد جو آٹھ فٹ چوڑی اور چودہ فٹ لمبی تھی اس میں ابتداءً ایک استاد اور تین طلبار سے کام شروع کیا گیا۔ اس وقت فقیر والی میں چند ایک جھونپڑیاں اور ہندؤوں کی دوتین دکانیں ہوتی تھیں اور ہر طرف ریگستان تھا دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہ ملتا تھا ۔ قیام مدرسہ کے بعد کچھ عرصہ تک حضرۃ مرحوم کا قیام چک ۱۱۰/۱۰۔ر ہی میں رہا آپ ہر روز صبح کو گھر سے طلبار کے لیے روٹیاں پکوا کر اپنے سر پر اٹھا کر پانچ میل پیدل سفر کرکے آتے اور شام کو واپس چک پہنچ جاتے کچھ عرصہ ایسے ہی سلسلہ چلتا رہا۔ جب طلبار کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی ۔ مدرسہ کی دُور دُور تک شہرت ہو گئی تو آپ نے پھر مستقل طور پر اپنا قیام فقیر والی ہی کر لیا۔ آپ نے اس زمانہ میں مدرسہ کے لیے اس وقت کے منتظم آبادی

شیخ شیر محمد صاحب کو بہائے حصول اراضی درخواست دے دی وہ موقع پر تشریف لائے اور فرمانے لگے تم نے ایک ایکڑ جگہ کیا کرنی ہے یہاں کونسا دیوبند بنانا ہے مولانا مرحوم کے منہ سے بعینہٖ یہی الفاظ نکلے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیوبند ہی بنا دے۔ چنانچہ وہ مدرسہ کو ایک ایکڑ رقبہ دے گئے اور ایک ماہ کے بعد جب دوبارہ دورہ پہ تشریف لائے تو مدرسہ کے جنوبی جانب پانچ کمرے تعمیر ہو گئے تھے وہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہُوئے پھر وہ مدرسہ کے مستقل معاون بن گئے جس جگہ مدرسہ قائم ہے اس کے متعلق اکابر علمار کافی عرصہ قبل پیشگوئیاں کرتے تھے چنانچہ حاجی عبدالکریم صاحب بغدادی جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلفار میں سے تھے ان کا جب بھی اس علاقہ میں اپنے مریدین کے پاس آنا ہوتا اور وہ اس کچی مسجد میں نماز پڑھتے اور فرماتے کہ مجھے اس جگہ سے علم کی خوشبو آتی ہے ایسے ہی جج عالم علی خانصاحب جو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے خصوصی متعلقین میں تھے وہ جب مدرسہ کی جدید مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ مجھے میرے شیخ نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند ضرور جانا بسیار کوشش کے باوجود میں دیوبند نہیں جاسکا۔ آج یہاں آکر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں دارالعلوم دیوبند آگیا ہوں ۔ قیام پاکستان سے قبل ہی مدرسہ کی شہرت دور دُور تک پہنچ چکی تھی چنانچہ ایک دفعہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ فقیر والی شہر کی سیر کراؤ تو حضرت مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت جی فقیر والی تو صرف مدرسہ ہی کا نام ہے۔ یہاں اور کوئی خاص آبادی نہیں اور نہ کوئی بازار کوچہ ہے۔ یہاں تو وادی غیر ذی زرع والا معاملہ ہے تو حضرت قاری صاحب فرمانے لگے کہ ہم نے فقیر والی کی بڑی شہرت سُن رکھی تھی ۔ ذہن میں تھا کہ فقیر والی کے ایسے بازار ہوں گے۔ اور ایسے کوچے ہوں گے قیام پاکستان سے قبل صدر مدرس اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ہی کی طرف سے آتے تھے چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت اور مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی جوکہ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب کے تایا زاد بھائی تھے حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی حال شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے دینی خدمات سرانجام دے چکے ہیں ۔قیام پاکستان کے بعد استاذ العلمار حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ رائے پوری اور ان کے صاحبزادگان حضرت مولانا عبداللہ صاحب حال شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحب مرحوم بھی دو سال کے قریب مدرسہ ہذا میں دینی خدمات سرانجام دے چکے ہیں حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحب چونکہ بڑے اچھے حافظ اور مقرر تھے علاقہ سے جب کوئی دعوتی پروگرام آتا تو حضرت مرحوم قاری لطف اللہ کو گھوڑی پر سوار کرا دیتے اور خود مدرسہ کے مہتمم ہونے کے باوجود پیدل ساتھ ساتھ چلتے اور اصرار کرنے کے باوجود مولانا مرحوم گھوڑی پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں گھوڑی پر سوار ہوں ۔ اور میرے استاد زادے پیدل سفر کریں ۔آپ بہت زیادہ سادگی پسند اور متوکل آدمی تھے آپ کے پاس کپڑوں کا ایک جوڑا ہوتا اور اگر کوئی شاگرد کوئی کپڑا وغیرہ یا کوئی ہدیہ دے جاتا تو اسے فوراً ہی طلبار میں تقسیم کر دیتے

بقیہ : احادیث الرسولؐ

غیرت کی بربادی ہے جس سے بچنا اور احتراز بہت ضروری ہے۔ ذھب ، سونا ہے خز ایک خاص قسم کا ریشم اور حریر مطلق ریشم کو کہتے ہیں ۔ مرد کے لئے ان چیزوں کا استعمال کسی طرح جائز نہیں ۔ مستورات کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات کی باقاعدگی سے ساتھ زکوٰۃ ادا کر دیں ورنہ وہ مجرم ہوں گی۔ اور قیامت کے دن اس عضو میں انہیں آگ کے زیورات پہنائے جائیں گے ۔جس جس عضو میں انہوں دنیا میں زیورات ڈالے اور زکوٰۃ نہیں دی ۔

بقیہ :- نفع نقصان میں شرکت کا معاملہ

نفع کی حیثیت، یعنی وہ تمام کا تمام نفع اس کا حق ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی اس کے کسی حصے کا حقدار نہیں ہوتا خواہ وہ قرضخواہ ہو یا غیر قرض خواہ، جب حقیقت یہ ہے تو پھر قرضخواہ کم لے یا زیادہ، اپنا حق نہیں دوسرے کا حق لیتا ہے جو عدل کے منافی اور ظلم ہے۔ قرآن مجید سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے سود اور ربا سے توبہ کرنے اور اس سے باز آنے والوں سے کہا ہے کہ تم صرف اپنا اصل مال لے سکتے ہو اس پر زاید کچھ نہیں لے سکتے اگر زاید کچھ بھی لوگے تو تمہارا یہ لینا ظلم ہوگا۔ سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: "اگر تم سود سے تائب ہو جاؤ تو پھر تمہارے لیے تمہارے اصل اموال ہیں ان سے زائد لے کر نہ تم دوسروں پر ظلم کرو اور نہ دوسرے تمہارے اصل مال میں کمی کرکے تم پر ظلم کریں۔

اس قرآنی آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرضخواہ صرف قرض کی اصل رقم لینے کا حقدار ہوتا ہے اس پر زائد کچھ بھی لینے کا حقدار نہیں ہوتا خواہ اس رقم کے ساتھ کام کرکے قرضدار نے کتنا ہی زیادہ نفع کیوں نہ کمایا ہو۔ لہذا اس سے اس بات کی نفی اور تردید ہو جاتی ہے جو عبارت مذکور میں لکھی گئی ہے یعنی یہ کہ قرض کی رقم کے ساتھ قرضدار کام کرکے جو نفع کماتا ہے اس میں قرض خواہ کا بھی حق اور حصہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر یہ بات اس اصولی تصور کی بنیاد پر لکھی گئی ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے لہذا جس کاروبار میں ایک کی محنت اور دوسرے کا سرمایہ ہو اس کا منافع دونوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہیئے۔ محنت سے پیدا شدہ حصہ محنت کش کو اور سرمائے سے پیدا شدہ حصہ سرمائے والے کو ملنا چاہیئے تو چونکہ یہ اصولی تصوّر کئی وجوہ سے غلط و باطل ہے لہذا اس پر مبنی بات بھی غلط و باطل ہے۔ (باقی آئندہ)

• نماز میں دنیاوی منصوبے بنانا

سائل: وسیم اختر صدیقی
کھوکھرا پار۔ کراچی

سوال: ایک صاحب نے مجھے بتایا تھا۔ کہ نماز پڑھتے وقت نماز میں دنیاوی باتوں کے بارے میں سوچنا اور منصوبے بنانا جائز ہے اس پر انہوں نے خلفاء راشدین کی مثال دی اور بتایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ نماز کی حالت میں جنگ کے منصوبے بنایا کرتے تھے لہذا یہ بات جائز ہے جب سے انہوں نے یہ بات کہی ہے میرے دل میں کھٹک رہی ہے کیونکہ ہم تو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نماز میں اگر کوئی دنیاوی خیال آ جائے تو نماز نہیں ہوتی آپ کی کیا رائے ہے۔؟

جواب: ان صاحب کی یہ بات غلط ہے۔ نماز توجہ الی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور دنیاوی باتیں ازخود سوچنا اور ان کے منصوبے بنانا توجہ الی اللہ کے منافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "میں نماز میں لشکر تیار کرتا ہوں۔" اس پر دنیاوی منصوبوں کو قیاس کرنا غلط ہے۔ حضرت عمرؓ خلیفۂ راشدؓ تھے اور نماز میں حضوری کے وقت ان کو من جانب اللہ جہاد کے لیے تدابیر القاء کی جاتی تھیں یہ ان کی اپنی سوچ نہیں ہوتی تھی بلکہ القائے ربانی ہوتا تھا۔ اور بلاتشبیہ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ بوقت حضوری وزیر اعظم کو بادشاہ کی جانب سے ہدایات دی جاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ منشائے الٰہی کی تعمیل فرماتے تھے اس لیے ان کو من جانب اللہ اس کی ہدایات القاء کی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم

بقیہ : شب و روز

قرآن پاک کی آخری سورتیں سنیں۔ کچھ بچیوں نے قرأت کے ساتھ نہایت عمدہ تلاوت کی۔ اس کے بعد خلاصۃ المشکوٰۃ شروع کرنے والی کلاس کو بسم اللہ کرائی بعد ازیں دعا اور مواعظ حسنہ سے بھی نوازا۔ تقریب میں میاں محمد اجمل قادری صاحب اور جناب قاری غلام فرید صاحب صدر شعبہ تجوید نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت اقدس مدظلہ نے اپنی جیب خاص سے مدرسہ کی صدر معلمہ صاحبہ کو سو روپے عنایت فرمائے تاکہ قابل انعام بچیوں میں بطور انعام تقسیم کر سکیں۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ کے لئے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہے۔ (مدیر)

تاریخ حرمین شریفین

تصنیف: علامہ الحاج عباس کرارہ مصری
ترجمہ وحواشی: الفلاح بی، اے
قیمت: -/۳۰ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

علامہ الحاج عباس کرارہ مصری جو قدیم ترین تعلیم گاہ جامعۃ الازھر مصر کے انتہائی لائق فرزندوں میں سے تھے نے حرمین شریفین کی تاریخ پر عربی زبان میں ایک نہایت ہی گرانقدر کتاب لکھی تھی جو عربی دنیا میں بڑی مقبول ہوئی اور اس کے متعدد ایڈیشن چھپے اور فروخت ہوئے کتاب اپنے مطالب کے اعتبار سے اس قابل تھی کہ اس کا اردو زبان میں ترجمہ ہو اور اردو دان طبقہ اس سے مستفید ہو سکے۔

محترم مولوی سیف الرحمٰن صاحب الفلاح بی، اے جنہوں نے اس سے قبل "تاریخ بیت اللہ" کے نام سے ایک مفید رسالہ تحریر کیا تھا اسے استاذ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب کی نگرانی میں نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ ضروری حواشی کا اضافہ بھی کر دیا۔ جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں پہلا حصہ حرم مکی اور دوسرا حرم مدنی کے حالات پر مشتمل ہے جس میں قریب قریب تمام اہم اور ضروری باتیں آ گئی ہیں۔ مکتبہ رحمانیہ کے مالکان نے عمدہ انداز سے کتاب کو چھاپ دیا ہے ہمیں توقع ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر کریں گے۔

غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان

ضلع اٹک کی مشہور عالم خانقاہ "بکھڑ" (جس کے زیب سجادہ ماضی قریب میں مولانا محمد علی صاحب تھے) میں ایک مثالی اور شاندار کتب خانہ ہے جو یہاں کے ارباب تصوف کے علمی ذوق کا ترجمان ہے اس کتب خانہ سے قریباً تین سو سال قبل کا یہ مخطوطہ اب سے کچھ عرصہ قبل نذر صابری صاحب کو ملا۔ تو انہوں نے کتب خانہ کے نگران حضرات کی اجازت سے اسے ایڈٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ رسالہ مشہور بزرگ شیخ تاج الدین محمود کے موئے قلم سے نکلا ہے اور یہ وہی معرکۃ الآراء رسالہ ہے جس کی نقل انہی دیوبند کے محدّث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے علامہ اقبال سے کی تھی اور علامہ کے غایت اشتیاق پر دیوبند سے انہیں بھیجا تھا۔ نذر صابری صاحب نے ایک دوسرے مخطوطہ جو پنجاب یونیورسٹی کی ملکیت تھا، سے اس کا مقابلہ کیا اور بڑی کاوش کے ساتھ اسے مرتب کیا۔ جو مجلس نوادرات علمیہ اٹک سے پہلی بار شائع ہوا ہے ——
برصغیر میں اس رسالہ کی اشاعت کا فخر مجلس نوادرات کو حاصل ہے اور اس علمی کاوش پر اس کے مرتب اور مجلس کے ارباب حل و عقد شکریہ کے مستحق ہیں۔ رسالہ کے مصنف شیخ تاج الدین آذربائیجان کے ایک قصبہ کے رہنے والے تھے قرائن و آثار کے مطابق وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے اور ہرات کی تباہی (۶۱۹) سے کچھ عرصہ قبل وفات پائی۔ شیخ نجم الدین کبری کے حلقہ میں شامل

اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور علمی دنیا میں ایک منفرد مقام کے حامل - جس پر یہ رسالہ بذاتِ خود شاہد ہے - اس رسالہ میں زمان و مکان کی ماہیت، زمان و مکان کے تصور کی شرعی حیثیت اور خداشناسی و خود آگہی میں امکنہ و ازمنہ کی معرفت کے کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے - رسالہ علمی اعتبار سے بڑا ادق ہے - مرتب نے کرم کیا کہ اسے آسان تر کرنے کی کوشش کی اور متن کی تصحیح میں غایت درجہ محنت سے کام لیا - مرتب کے طویل مقدمہ جس میں رسالہ اور اس کے مصنف سے متعلق تفصیلی گفتگو ہے، کے ساتھ ساتھ انڈکس بھی دیا گیا ہے جس میں قرآنی آیات، احادیث نبویؐ، علماء و مشائخ کے افکار و اقوال اور اشاریہ شامل ہے - نیز ضمیمہ میں پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ کے اختلافات اور اضافے ذکر کر دیئے ہیں، اس طرح اہل علم کے لئے ایک خوبصورت تحفہ تیار کر دیا گیا ہے - یہ نادر و نایاب قیمتی رسالہ ۱۵/- روپے میں مجلس نوادرات علمیہ الک شہر سے دستیاب ہے -

ہمیں امید ہے کہ ارباب مجلس کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی ہو گی -

احوال التفاسیر

"خدام الدین" کے ایک مضمون نگار ملک غلام حیدر صاحب جو درس نظامی کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی اور اسلامیات میں ایم اے ہیں اور آج کل گورنمنٹ کالج میانوالی میں لیکچرار، انہوں نے یہ کتاب مرتب کی ہے جو حق سنز ۲۸- اردو بازار لاہور سے ۱۰/- روپے میں دستیاب ہے —— گو کہ موصوف نے ایم اے اسلامیات کے طلبہ کی نصابی ضرورتوں کے تحت اسے سپردِ قلم کیا ہے لیکن دینی مدارس کے طلبہ اور عام اردو دان حضرات بھی اس سے برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔

موصوف نے ابتداء میں "تفسیر" اور اس کے متعلقہ مسائل پر خاصی مفصل گفتگو کی ہے - اور اس کے بعد حضور علیہ السلام بہ حیثیت مفسر، عہد صحابہ اور تفسیر، عہد تابعین اور تفسیر جیسے عنوانات پر روشنی ڈالی ہے - بعد ازاں بعض قدیم و جدید تفاسیر اور ان کے مصنفین کا خاص محنت سے تذکرہ کیا ہے - اس طرح گویا حضرات مفسرین اور ان کی تفاسیر کا تعارف کرایا گیا ہے -

کتاب میں بعض "جدید مفسرین" کا تذکرہ طبیعت پر گراں اس لئے نہیں کہ وہ جدید ہیں بلکہ اس لئے کہ ان کی تفاسیر میں "صراط مستقیم" سے انحراف کیا گیا ہے - اس تسامح کے باوجود کتاب قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے